اکیسویں صدی: اردو افسانے کا نیا ثقافتی بیانیہ

The 21st Century: A New Cultural Narrative of Urdu Fiction

ڈاکٹر لبنیٰ نصیر[i]

Abstract:

Due to the clash of civilizations in the 21st century, the current society is suffering from numerous political, cultural and existential crises. The art has also changed and the perspective has also changed. In the 21st century, new trends, new themes are being added to the fiction literature very fast. The whole world has become the subject of literature. Our creators are completely in tune with their time and their quest for art creation is fully here. It is a function that is a manifestation of the distinction of a period. Fiction writers of the 21st century have kept the flame of creation bright despite the darkness perceived by the eyes and visions in the hollow interior and sides of their time. Fiction writers of the 21st century have a keen eye on the global situation, they have pointed to international problems in their works. He also has a strong grasp on the clash of new and old civilizations. Today's fiction writer seems to nurture true creativity in keeping with his current national and global context.

Keywords: *Effects, 21th century,Civilization, Culture, Trends, Literature, Situation, Global*

اکیسویں صدی میں تہذیبوں کے تصادم کی وجہ سے موجودہ معاشرہ بے شمار سیاسی، ثقافتی اور وجودی بحرانوں کا شکار ہے۔ آرٹ بھی بدلا ہے اور نقطہ نظر بھی بدل گیا ہے۔ اکیسویں صدی میں فکشن میں نئے رجحانات، نئے موضوعات بہت تیزی سے شامل ہو رہے ہیں۔ پوری دنیا ادب کا موضوع بن چکی ہے۔ ہمارے تخلیق کار اپنے وقت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہیں اور فن تخلیق کے لیے ان کی جستجو پوری طرح سے عیاں ہے۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے اپنے زمانے کے کھوکھلے اندرونی اور اطراف میں آنکھوں اور نظاروں سے محسوس ہونے والی تاریکی کے باوجود تخلیق کے شعلے کو روشن رکھا ہے۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں کی عالمی صورتحال پر گہری نظر ہے۔ انھوں نے اپنی تخلیقات میں بین الاقوامی مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ نئی اور پرانی تہذیبوں کے تصادم پر بھی ان کی گرفت مضبوط ہے۔ آج کا افسانہ نگار اپنے موجودہ قومی اور عالمی تناظر کو مدنظر رکھتے ہوئے حقیقی تخلیقی صلاحیتوں کی آب یاری کرتا نظر آتا ہے۔

کلیدی الفاظ: اکیسویں صدی ، ادب و ثقافت ، افسانوی ادب ، نفسیاتی اثرات ، عالمی گاوں ، انفارمیشن ٹیکنالوجی ، ما بعد جدیدیت ، نئے رجحانات۔

ہر زمانہ اپنے ساتھ کئی نئی تبدیلیاں لے کر آتا ہے، نیا انداز نئی روایات، نیا طرز احساس اور کئی پرانے انداز، روایات اور طرز احساس یا تو نئے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ڈھل جاتے ہیں یا دم توڑ جاتے ہیں۔ یوں تو اردو ادب میں اصناف، ہیت اور موضوعات کی تبدیلیاں گاہے بگاہے ہوتی رہی ہیں لیکن بیسویں صدی کی چوتھی دہائی سے اردو ادب میں انقلاب آفریں ارتقا ظہور پذیر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ فنی یکسوئی بدلتی

[i] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، سیٹلائیٹ ٹاون، بہاول پور(**Corresponding Author**)

دکھائی دی۔ اردو ادب کو استعماری جبر کا سامنا رہا۔ سامراجی نظام کے خلاف آواز بلند ہوئی تو ادب پر بھی اس کے اثرات دکھائی دینے لگے۔ ترقی پسندی نے طبقاتی نظام کا جال توڑنے کی کوششیں کی۔ اکیسویں صدی میں بھی ادب کو بھی استعماری جال کے جبر کا سامنا ہے۔ کارپوریٹ کلچر، گلوبلائزیشن اور سرمایہ دارانہ نظام اکیسویں صدی کے علم و ادب کے مرکزی بیانیے پر کسی نہ کسی حد تک اثر انداز ہو رہا ہے۔ مارکیٹ اکانومی اور میڈیا وار کے طوفانی حملوں میں تیسری دنیا جس سرعت سے تباہ ہو رہی ہے، اس میں ادبیات کے اجتماعی بیانیے میں واضح تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ہمارے افسانہ نگاروں نے ہر عہد اور اس عہد کے تمام مناظر اپنے افسانے میں سمو دیے ہیں اور یوں افسانہ اپنے عہد کا ترجمان بن گیا۔ ڈاکٹر افضال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”پاکستان میں رونما ہونے والے ہر واقعہ نے بالعموم ہمارے ادب اور بالخصوص اردو فکشن (ناول، افسانہ) پر اثر ڈالا۔ وہ فسادات کا سانحہ ہو یا ہجرت کا کرب، ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء ہو یا ۱۹۷۱ء کا، پاک بھارت جنگ ہو یا سقوط ڈھاکہ کا المیہ، سبھی نے ہماری قومی زندگی کو متاثر کیا۔ ان واقعات سے نہ صرف ہماری تاریخ کا راستہ متعین ہوتا ہے بلکہ ہمارے تخلیقی ادب کا مزاج بھی پروان چڑھتا دکھائی دیتا ہے۔“ (۱)

لفظ ”تہذیب“ وسیع معنی و مفاہیم کا حامل ہے۔ اس ایک لفظ کے بنیادی اجزا میں ادب، فنون لطیفہ، رسوم و رواج، رویے، معاشرت، آداب گفتگو، افکار و اذکار، مذہب، فلسفہ، طرز حیات شامل ہیں۔ ادب کے سوتے تہذیب سے پھوٹتے ہیں اور کسی قوم کو مہذب بنانے میں ادب اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے اور ہر سماج کی اپنی ایک تہذیب ہوتی ہے۔ اکیسویں صدی کا آغاز دہشت گردی، بربریت سے ہوا ہے۔ عالمی جنگ کے خطرے کے گہرے نفسیاتی اثرات ساری عالم انسانیت پر مرتب ہو رہے ہیں۔ موت اور فنا کی دہشت نے انسان سے اس کی خوداعتمادی چھین کے ذہنوں کو مسموم بنا دیا ہے (۲) اکیسویں صدی کے ادب پر وہ تمام عناصر اثر انداز ہوتے دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے اکیسویں صدی کو پہلی تمام صدیوں سے الگ اور خاص بنا دیا۔ اس صدی کے ان چند سالوں میں دنیا نے جہاں بے پناہ ترقی دیکھی وہیں سانحہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور کرونا جیسے عوامل ادب پر اپنے نفسیاتی اثرات چھوڑ گئے۔ ہمارے افسانہ نگار انھی عوامل کی صورت گری کر رہے ہیں۔ ہمارے ادباء عالمی تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے ادب کی تشکیل

میں مصروف ہیں۔

نئی صدی کے تیئس برسوں میں زندگی مشکل اور گھمبیر تر ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی آسمان کی وسعتوں کو چھو رہی ہے تو دوسری طرف مسائل کے انبار اور خوف کی فضا نے انسان کو ذہنی کشمکش میں مبتلا رکھا ہوا ہے۔ اپنی بے وقعتی کے بعد انسانی شخصیت ٹوٹ چکی ہے۔ کرب و یاس کے اس ماحول نے عوام کو ذہنی کش مکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ جس کی بنا پر اس کی شخصیت ٹوٹ کر بکھر گئی ہے فن بھی بدلا ہے اور مطمع نظر کے زاویے بھی تبدیل ہوئے ہیں۔(۳) اردو ادب میں اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے ان تمام مسائل کی تصویر کشی کی ہے۔ محمد منشا یاد کے افسانہ "کوک بھرا کھلونا" میں مصنف انسانی بے قدری و بے وقعتی کو بیان کرتا ہے۔ اکیسویں صدی کا افسانہ نگار جہاں تہذیب و ثقافت کی توڑ پھوڑ کا نوحہ پڑھتا ہے وہیں انسانی زندگی اور انسان کے تہذیبی، سیاسی و سماجی حالت پر روشنی بھی ڈالتا ہے۔ ایسے ہی چند اہم افسانہ نگاروں میں خالدہ حسین، رشید امجد، نیر مسعود، مسعود اشعر، ساجد رشید، خالد محمود سنجرانی، طاہرہ اقبال، آصف فرخی، محمد انور جاوید کے نام اہم ہیں۔ ہمارے افسانہ نگاروں نے ماحول اور مسائل کو دیکھا اور ان سے آنکھیں نہیں پھیریں انھیں اپنی تخلیقات کا مرکز بنایا۔ بقول ڈاکٹر محمد حسن:

> "زندگی کا کھوکھلا پن، رومان اور اس کی حرماں نصیبی، مثبت دور، زندگی کے مسخ کیے ہوئے کردار اور شخصیتیں، ہنگامی اور سیاسی موضوعات، جنس اور اس کی لذتیت اور اس کی چیرہ دستیاں، اس کی خام کاریاں، سبھی کچھ ابھر کر اردو افسانے میں سامنے آئے۔" (۴)

اکیسویں صدی کا افسانہ نگار کسی بھی نظریے، تحریک میں قید نہیں ہے۔ وہ فکری سطح پر آزاد ہے۔ اور اس گلوبل ولیج میں رہتے ہوئے نئی ٹیکنالوجی کی بدولت اس کا رابطہ پوری دنیا سے ہے، وہ دنیا کے حالات کے ساتھ ساتھ دنیا کے ادب پر بھی گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔ دنیا کے بدلتے تقاضوں کو وہ ادب کا حصہ بنانا اور ادب کو دنیا کے بدلتے حالات سے ہم آہنگ کرنا خوب جانتا ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثے کے بعد دنیا بالکل تبدیل ہو گئی مشرق و مغرب کے مابین حالات، تعلقات کے پیچ و خم کو آج کا افسانہ نگار فکری تناظر میں دیکھتا ہے۔ اکیسویں صدی تک اردو افسانہ کئی جہتیں اختیار کر چکا ہے۔ آج کا افسانہ اور ناول سماجی ناہمواریوں، معاشرے میں بڑھتے ہوئے نفسیاتی معاملات و مسائل اور گلوبلائزیشن کی حشر سامانیوں سمیت ان گنت

موضوعات کو اپنے اندر سمیٹ رہا ہے۔ محمد سلیم الرحمٰن لکھتے ہیں:

”اس وقت پاکستان میں جو افسانہ لکھا جا رہا ہے وہ حقیقت پسندی، ترقی پسندی، علامت نگاری، ساحرانہ واقعیت پسندی، نفسیاتی ایچ پیچ اور تجرباتی پینتروں کا ملغوبہ ہے۔ ایسے عہد میں جس کی وحشت ناک برق رفتاری، ذاتی زندگی کو اخفا میں رکھنے کی اہلیت میں ناکامی اور ہر کسی پر ہر وقت نظر رکھنے کے چکر نے ہر جگہ معاشروں کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے جہاں کوئی بھی غیر محتاط اگلا قدم ہمہ گیر تباہی کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ فکشن کے لیے راہ فرار کوئی نہیں۔ ہر لکھنے والا اگر وہ اپنے فن سے اور ارد گرد کی پیچیدہ زندگی سے انصاف کرنا چاہتا ہے، مجبور ہے کہ کوئی نیا رویہ اختیار کرے۔“ (۵)

اکیسویں صدی میں ادب میں جہاں فنی و فکری لحاظ سے نت نئی تبدیلیاں ہو رہی ہیں وہیں ادب میں نئے موضوعات و رجحانات بھی ادب میں شامل ہوئے ہیں۔ فرد، معاشرہ اور تہذیبی کرائسسز ادب کا موضوع بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ اکیسویں صدی میں ہی دوسرا اہم واقعہ کرونائی صورت حال کا سامنا ہے۔ اکیسویں صدی کے ان دو بڑے واقعات نے جہاں اردو ادب کی تمام اصناف کو متاثر کیا وہاں افسانہ نگاروں نے بھی نئی افسانوی تکنیکیں اپنائیں۔ یہ افسانہ نگار موضوعاتی طور پر بھی ہمیں نئی دنیا اور نئے آفاق سے روشناس کراتے ہیں۔ اردو ادب کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو مقامی کینوس پر ہمیں نت نئے مسائل دکھائی دیں گے۔ مذہبی موشگافیاں، نیم سرمایہ دارانہ رویے، عام شہری کے مسائل عسکری و سیاسی مفادات غرض مسائل در مسائل نے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ غیر مستحکم سیاسی فضا ملکی سطح پر کئی مسائل کو جنم دے رہی ہے۔ میڈیا وار، نئی ٹیکنالوجی نے اظہار کے مواقع بڑھا دیے ہیں۔

اکیسویں صدی کی ابتدا کا اہم واقعہ 11/9 کا ہے جو دنیا بھر کے ادب و ثقافت کے ساتھ ساتھ اردو ادب اور ثقافت پر بھی اثر انداز ہوا۔ 9/11 کا واقعہ دنیا میں دہشت کی علامت بن گیا۔ اس واقعہ نے دنیا کو ایک نئی سمت میں لا کھڑا کیا۔ سیاست، حکومت، معاشیات، سماجیات، اخلاقیات، غرض کوئی شعبہ ہائے زندگی ایسا نہیں جو اس واقعے سے متاثر نہ ہوا ہو۔ خوف کے بادل ہر طرف منڈلاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف اس حوالے سے لکھتی ہیں:

"اس کے نتیجے میں دیگر زبانوں کی طرح اردو ادب میں بھی مزاحمتی رجحان کا آغاز ہوتا ہے۔ جو قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسانیت کی تذلیل اور تباہی و بربادی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ یہ مزاحمت کسی خاص حکومت نظریے یا گروہ کے خلاف نہیں بلکہ انفرادی اور اجتماعی ہر نوع کے سیاسی، معاشی، تہذیبی اور مذہبی استحصال کے خلاف ہے۔" (۶)

مبین مرزا کا افسانہ "دام وحشت" نائن الیون کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ اس افسانے کا موضوع خوف، کنفیوژن ہے۔ یہ افسانہ پاکستانی باشندے شیخ سخاوت کی کہانی ہے۔ جو کراچی کے ایک کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مصنف اس افسانے میں بتاتے ہیں دہشت گردی کے ماحول نے پوری قوم کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔ ہر شخص بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ دھماکے کا خوف، خود کش حملے کا خوف سب کے حواسوں پر سوار ہے۔ مذہبی اور سماجی اجتماعات جو قوم کی زندہ دلی کی علامت تھے خوف کی فضا میں کم ہو گئے یہاں تک کہ با جماعت نماز بھی خطرناک ہو گئی کیوں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اکثر خود کش حملے اور دھماکے مساجد میں نماز کی ادائیگی کے وقت ہوتے۔ کچھ ایسا ہی منظر "دام وحشت" میں ملاحظہ کیجئے۔ خوف سے نڈھال ہمارے معاشرے کی بے بسی کی تصویر افسانہ نگار نے کیسے کھینچی ہے:

"امام صاحب کا خطبہ جاری تھا۔ شیخ سخاوت علی نے ایک لمحے کو سوچا کہ یہ کہیں اس کا وہم تو نہیں۔ اس نے ایک بار پھر اس آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی مشکوک لگ رہا تھا۔ اس کا لمبا سفید چغہ، سرخ رنگ کا عمامہ، گھنی داڑھی، سرخ و سفید چہرہ اور چہرے پر پوری طرح سجا ہوا گہرا اطمینان۔ ایک ایک چیز سب مشکوک لگ رہا تھا۔ یہ آدمی ضرور اپنے جسم سے بم باندھے بیٹھا ہوگا۔ اور جب جماعت کھڑی ہوگی۔ تو یہ پہلی رکعت میں یا دوسری رکعت میں یہ خود بھی پھٹ جائے گا۔ اور اس کے ساتھ۔۔۔ شیخ سخاوت علی کے نگاہوں میں وہ سارے منظر پھر گئے جو مسجدوں میں بم دھماکوں، خود کش حملوں کے حوالے سے ٹی وی پر اب تک دکھائے گئے تھے۔ کٹے پھٹے جسم، ٹکڑے ٹکڑے بکھرے انسانی اعضاء، گاڑھا خون۔۔۔ اوہ خدایا! اس نے دونوں کانوں کی لویں چھوئیں۔ وہ کیا کرے، کیا واقعی اٹھ کھڑا ہو۔ اور اس آدمی کو پکڑ لے۔ لیکن اگر اس کے پاس سے کچھ نہ نکلا۔ تو کیسی ذلت ہو گی۔ کتنا تماشا بنے گا۔ اور کب تک لوگ اس واقعے کا تذکرہ کر کے اسے شرمسار کرتے رہیں

گے۔ ویسے اگر اس آدمی کے پاس واقعی کوئی ایسی چیز ہوتی تو یہ مسجد میں داخل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ مسجد کے دونوں دروازوں پر کئی کئی گارڈ اور بم ڈسپوزل سکوارڈ کے لوگ تعینات تھے جو جمعے کے نماز کے لیے آنے والے ہر شخص کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد اسے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ایسے واقعات کہیں نہ کہیں تو ہو ہی جاتے تھے۔ اور اب ایک کراچی ہی کیا، سیالکوٹ، ملتان، لاہور، کہاں کہاں ایسی وارداتیں نہیں ہو چکی تھیں، کوئی شہر محفوظ نہیں تھا۔ کہیں امان نہ تھی۔" (۷)

ممتاز مفتی کا افسانہ "شناخت" اسی موضوع پر خوب صورت افسانہ ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار خالد امریکی تہذیب و تمدن کا دلدادہ اور مذہب سے دور دکھایا گیا ہے۔ تمام رشتوں کی مخالفت کے باوجود امریکی یا مغربی طرز حیات کو اپناتا ہے اس کا دوست سلیم اپنی اقدار چھوڑنے کو تیار نہیں۔ دونوں کے درمیان اس موضوع پر کئی بار بحث بھی ہوتی ہے۔ نائن الیون کے بعد پندرہ سال بعد خالد پاکستان آتا ہے خالد کے کردار میں بے چینی، اس کا اپنی شناخت کی طرف پلٹنا نائن الیون کے بعد اس کی ذہنی کیفیت مصنف نے اس تمام صورت حال کو کامیابی سے پیش کیا ہے۔ نیلوفر اقبال کا افسانہ "آپریشن مائیس" میں مصنفہ نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعے کے بعد امریکی انتقام کی کہانی کو موضوع بنایا ہے۔ علی حیدر ملک کا افسانہ ملک میں دہشت گردی سے متعلق ہے۔ "سورگ میں سور" از محمد حمید شاہد حالات حاضرہ پر افسانہ نگار کا تجزیہ ہے۔ ملکی ابتر سیاسی و معاشرتی صورتحال کو افسانہ نگار نے تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ بستی والے جنگلی سوروں سے پریشان تھے۔ ان سوروں سے اپنی بکریاں بچانے کے لیے انھوں نے کتے پالنا شروع کر دیے پھر بھی دن بدن سؤروں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ عصری صورت حال کی عکاسی کے لیے افسانہ نگار نے جانوروں کا استعارہ بیان کیا ہے۔

ادیب اور شاعر معاشرے کے اجتماعی شعور اور احساسات کا نمائندہ ہوتا ہے، معاشرے کے مسائل کو قلم کی زبان سے بیان کرتا ہے۔ کامیاب ادب اپنی مٹی اور اس مٹی کے باسیوں کے مسائل سے جڑا ہوتا ہے۔ کامیاب ادیب، لکھاری تمام مسائل، فرد کے جذبات و احساسات کو کرداروں کی زبان سے بیان کرتا ہے۔ اکیسویں صدی کی دوسری دہائی نے پوری دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ کہنے کو ایک چھوٹا اور معمولی وائرس،

جس نے پوری دنیا کو جامد کر دیا۔ ہر شخص تنہائی کو شکار نفسیاتی مریض بنتا جا رہا تھا۔ وبا کے موسم میں انسانی مزاج اور فطرت پر اس وبا کے اثرات ادب کا حصّہ بنتے رہے ہیں۔ تنہائی ادب کو تحریک دیتی ہے اور ادیب کی تخلیقی صلاحیتیں بڑھا دیتی ہے، لیکن ادیب کو ملنے والی کرونائی تنہائی دراصل جبری تنہائی تھی اور شاعر و ادیب تو یوں بھی ہر جبر کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے جبری تنہائی انسان میں اکتاہٹ اور وحشت پیدا کر دیتی ہے۔ وبا کے ابتدائی دنوں میں شاعر و ادیب بھی اسی صورتِ حال پر غور کرتے اور اس سے وحشت اور اکتاہٹ کا اظہار کرتے نظر آئے۔ کرونائی عہد نے اردو ادب کی تمام اصناف کے ساتھ ساتھ افسانے کو بھی متاثر کیا اس عہد میں لکھے جانے والے اہم افسانوں میں افسانوں کے اہم مجموعوں میں ''مَیں'' از خالد فتح محمد، ''خواب گلی'' از محمود احمد قاضی، ''ایک زمانہ ختم ہوا ہے'' از ناصر عباس نیر، ''گھٹیا آدمی'' از کلیم خارجی شامل ہیں۔ ناصر عباس نیر کا افسانہ ''ستر سال اور غار'' علامتی افسانہ ہے۔ اس افسانے کو پاکستان کے مسائل کے پس منظر میں دیکھیں تو کہانی کا موضوع سامنے آتا ہے۔ پاکستان کے لوگ ستر سالوں سے مسائل کے وقتی حل کی کوششوں میں لگے ہیں جب ان مسائل کا حل مستقل بنیادوں پر اجتماعی طور پر نکالا جائے گا تو مسائل خود بخود حل ہونا شروع ہو جائیں گے۔

اکیسویں صدی میں میڈیا وار نے نظریات، تحریکوں، افکار، خیالات اور معلومات کو ایک جگہ سے دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا ہے۔ میڈیا کے ذرائع نظریہ سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اکیسویں صدی پبلیسٹی کی صدی بن چکی بن چکی ہے۔ عمار مسعود اپنے افسانے ''مٹی تلے دبے بیس سال'' میں لکھتے ہیں:

> ''یہ پبلیسٹی، سیلف مارکیٹنگ کا دور ہے۔ اس دور میں آہنگ بلند رکھنا پڑتا ہے۔ خالی خولی تبسم سے کام نہیں چلتا۔ اپنے آپ کو منوانے کے لیے اپنے ہی حق میں نعرہ لگانا پڑتا ہے۔''(۸)

افسانہ نگاروں نے سائبر ورلڈ (جس نے دنیا کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے) کو بھی افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ افسانہ ''گلوبل ولیج'' میں افسانہ نگار نے کمپیوٹر اور اس کے متعلقات کو انسانی رشتوں کی تعمیر و تخریب کا مرکز قرار دیا ہے:

"یہ لوگ انٹرنیٹ پر تعلق استوار کر سکتے ہیں اور موبائل فون پر رشتے توڑنے کی ریت کو جنم دے سکتے ہیں۔" (۹)

اکیسویں صدی میں معاشرے پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں سے ایک اہم سیاست بھی ہے۔ عالمی و ملکی سیاست کس طرح معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہے ہمارے افسانہ نگاروں نے ان تمام حالات کا جائزہ اپنی تخلیقات میں لیا ہے۔ سیاسی ہتھکنڈے کس طرح عالمی سطح پر کام کر رہے ہیں اور مقامی سطح پر ان کی کیا نوعیت ہے۔ فرد اور سماج پر سیاسی حالات کیسے اثر انداز ہوتے ہیں اس صورت حال کا جائزہ اسد محمد خان نے اپنے افسانے "دانی کی کہانی" میں پیش کیا ہے۔ محمود احمد قاضی کا "بین کرنے والی"، عابد سہیل کا افسانہ "شرطیں" نجم الحسن کا افسانہ "شیشے اور دل" معاصر عہد کی بدلتی صورت حال اور اس کے پس منظر میں کار فرما سیاسی صورت حال اور اس صورت حال کے انسانی زندگی پر اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے۔

اکیسویں صدی کے تخلیقی ادب خصوصاً افسانے کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے ہمارے افسانہ نگاروں نے عصری حسیت کی مکمل عکاسی کی ہے۔ یاسمین فاطمہ اس حوالے سے لکھتی ہیں:

"جدید اردو افسانے میں ان تجربات و احساسات کو سادہ بیانیہ انداز میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ ان کی پیچیدہ نوعیت اور کربناکی کی شدت کو پوری طرح گرفت میں لانے کی کوشش کی گئی۔" (۱۰)

عصر حاضر کے افسانہ نگار اس عصر کے تمام مسائل اور کھلے ہوتے باطن میں چشم بصیرت کو محسوس ہونے والی تاریکی کے باوجود شعلہ تخلیق کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اکیسویں صدی کے تیئس سال انتشار کے سال ہیں اس انتشار سے کردار کا بحران پیدا ہوتا ہے جو قومی و عالمی المیہ ہے۔ آج کا افسانہ نگار یہ سب بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بقول ناصر عباس نیر:

"جدید افسانے کا موضوع انسانی اس سب کو رقم کرتا ہے جسے وہ جھیلتا ہے اور جسے اس نے جھیلا ہے، اسی کو اپنی کہانی بناتا ہے۔ جدید افسانے میں اسی لیے ان احساسات و کیفیات کا غلبہ ہے جن کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ شاعری کی ملک ہیں۔ نشان خاطر رہے کہ جدید افسانے کا "میں" شاعر کی روح نہیں ہے اس کے پاس رومانی شاعر کا تخیل نہیں ہے ایک ایک وجودی شاعر کی سی حسیت ہے جو تضادات الجھنوں، کشمکش، تصادمات سے

عبارت ہے۔"(۱۱)

اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں کی عالمی حالات پر گہری نظر ہے انھوں نے اپنی تخلیقات میں قومی و بین الاقوامی مسائل کو بیان کیا ہے۔ اکیسویں صدی میں تہذیبوں کے تصادم پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ آج کا افسانہ نگار اپنے موجودہ قومی اور عالمی سیاق سے جڑ کر صحیح تخلیقیت کی پرورش کرتا دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد افضال، اردو ناول میں سماجی شعور (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ۳۲۔

۲۔ یاسمین فاطمہ، جدید اردو افسانے میں عصری حسیت (حیدر آباد: مکتبہ شعر و حکمت، ۱۹۸۷ء)، ۱۰۷۔

۳۔ صغیر افراہیم، اردو فکشن: تنقید اور تجربہ (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس، ۲۰۰۳ء)، ۲۳۱۔

۴۔ ڈاکٹر محمد حسن، ادبی سماجیات (دہلی: فروغ اردو، ۲۰۰۱ء)، ۱۱۔

۵۔ محمد سلیم الرحمان، "پرزور زمانے، پرشور فسانے"، مشمولہ: ہفت روزہ ہم شہری، شمارہ ۵ (آن لائن: اپریل تا جون ۲۰۱۶ء)، ۶۔

۶۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف (مرتب)، ۱۱/۹ اور پاکستانی اردو افسانہ (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۱ء)، ۳۲۔

۷۔ مبین مرزا، "دامِ وحشت"، مشمولہ: خوف کے آسمان تلے (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۴ء)، ۷۷۔

۸۔ عمار مسعود، "مٹی تلے دبے بیس سال"، مشمولہ: روزنامہ نئی بات (خواتین میگزین) (لاہور: ۱۹ تا ۲۵ دسمبر ۲۰۱۲ء)، ۱۲۔

۹۔ نیر اقبال علوی، "گلوبل ولیج"، مشمولہ: جہان رنگ و بو (لاہور: ملٹی میڈیا افیئر، ۲۰۰۵ء)، ۴۶۔

۱۰۔ یاسمین فاطمہ، جدید اردو افسانے میں عصری حسیت، ۱۰۷۔

۱۱۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، عالمگیریت اور اردو اور دیگر مضامین (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ۲۹۱۔